خیال و خواب
عالمی موجِ غزل مشاعرہ نمبر ۴۰۵

عالمی آن لائن مشاعرہ
موجِ غزل
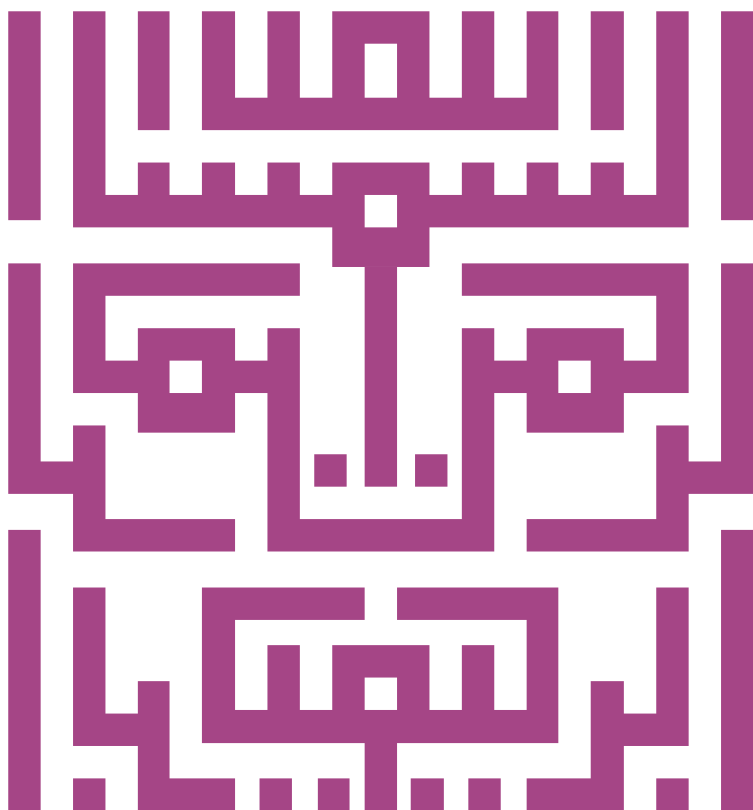
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

مرتّبہ:
نوید ظفر کیانی

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام
https://archive.org/details/@nzkiani
nzkiani@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالمی آن لائن مشاعرہ
موجِ غزل
منفرد بحر رنگ

۴۰۵

منفرد بحر رنگ

بحر مفعول فاعلات مفاعیل فاعلاتن — ردیف وقوافی حسب توفیق

مشاعرہ ۲۴ر فروری ۲۰۲۴ء بروز ہفتہ سہ پہر تین بجے شروع ہوگا اور اتوار رات نو بجے تک جاری رہے گا۔ تازہ کلام مقررہ وقت پر کہی گئی بحر میں ایک ایک شعر کی صورت میں پیش کیا جائے جو یکجا کر کے یکجا والے مراسلے میں کمنٹ کیا جائے۔ کلام قبل از وقت پیش نہ کریں۔ متذکرہ بحر میں کسی بھی ہئیت میں کسی بھی موضوع پر نظم لکھی جا سکتی ہے۔

میزبان: ہاشم علی خان ہمدم، نوید ظفر کیانی، روبینہ شاہین بینا
محمد رضا طبی اور دیگر احبابِ موجِ غزل

خوش آمدید

موجِ غزل عالمی مشاعرہ نمبر ۴۰۵

فہرست

فہدؔ علی عزیزی

محمود پیران محمودؔ

نوید ظفرؔ کیانی

ہاشم علی خان ہمدمؔ

زاہد کونچوی

تعظیم احمد

محمدی کھیری یوپی

قسمت کا ہے کمال تری لاج بچ گئی ہے
باقی ہے تیری زیست تبھی آج بچ گئی ہے

میں ہو گیا نراش بھلا رب ترا کرے گا
کرتے دعا ہیں آپ تبھی گاج بچ گئی ہے

ہنستے تھے سارے فقط کام خوب آیا
اس نے کیا خیال مری کھاج بچ گئی ہے

آئے نہیں ہیں کام بتا سکتے ایسے ہم ہیں
اس نے دیا ہے ساتھ مری تاج بچ گئی ہے

دینا سبھی ہے دوست سو تعظیم کو بلایا
مکھن بنا ہے خوب وہیں چھاج بچ گئی ہے

ڈاکٹر حامد حسین سسوا

موتیہاری، بہار

نفرت ہے جس کے دل میں شکایت کبھی کرے گا
ہمدرد ہو گا وہ تو حمایت کبھی کرے گا

دنیا کی نعمتوں سے سجایا جو ہے چمن کو
امید ہے اسی سے رعایت کبھی کرے گا

چاہے ابھی کرے گا وہ چاہے کبھی کرے گا
مانگو دعا اسی سے عنایت کبھی کرے گا

رکھنا کبھی اسی سے امید مغفرت کی
سرزد تری خطا میں رعایت کبھی کرے گا

جو چاہو گے وہ دے گا صفت جو ہے غنی کی
سودا کرو اُسی سے کفایت کبھی کرے گا

واقف جو ہو گیا ہے ابھی اپنی اصلیت سے
بے شک زمیں پہ وہ نہ حماقت کبھی کرے گا

حامد تو پڑھ کے دیکھ ہے بہتر اصول اس کا
جو چاہے گا اسی کی ہدایت کبھی کرے گا

رضوانہ اجمل ملک اعوان

یہ دوستی بدل گئی محفل بدل گئی ہے
رب تیری رحمتوں سے یہ کامل بدل گئی ہے

ہر وقت آنکھوں میں جو تصور بسا حسیں سا
تاریک من میں نور سے مشعل بدل گئی ہے

اُوڑھی درودوں اور سلاموں کی اک ردا جب
چادر یہ عزتوں کے ہی آنچل بدل گئی ہے

رحمان جانتا ہے چھپے بھید سب دلوں کے
آسانیاں عطا ہوئیں، مشکل بدل گئی ہے

جب اُٹھ گئی کرم کی نگاہیں جو عاصیوں پر
غفلت کی ماری زندگی بالکل بدل گئی ہے

مٹی میں مل گیا ہے تکبر غرور پل میں
عاجز کے واسطے یہ تو مخمل بدل گئی ہے

کچھ دم ہی چہچہائے تو پُھر سے اڑے وہ فوراً
دنیا جہاں کے باغ میں بُلبُل بدل گئی ہے

لرزت تڑپ تو میری دیوانگی ذرا دیکھ
عشقِ جنوں میں رقصِ جاں بسمل بدل گئی ہے

شاہین فصیح ربّانی

دِل کی حدود میں بھی سمائی ہوئی ہے دنیا
کچھ اس طرح حواس پہ چھائی ہوئی ہے دنیا

دیکھے اسے تو دل کی طرفدار ہو رہے خود
دنیا سے بھی جو ہم نے چھپائی ہوئی ہے دنیا

رکھی ہے اپنے سامنے ہر لمحہ دل کی منزل
رستوں میں اپنے ہم نے بچھائی ہوئی ہے دنیا

وحشی ہیں خواہشات کے، جذبات کے ہرن ہیں
جنگل ہے دل کہ اس میں بسائی ہوئی ہے دنیا

اس کی مداخلت سے پریشان ہو رہے ہو
سر پر زیادہ خود ہی چڑھائی ہوئی ہے دنیا

جو مانگنا ہے مانگ لو، جو کام ہے بتاؤ
موقع ہے اب کہ موج میں آئی ہوئی ہے دنیا

دل کو فصیح ہم سے شکایت سدا رہے گی
ہم نے خود اپنے پاس بلائی ہوئی ہے دنیا

صدآ کشمیری

سرینگر انڈیا

جو درس دے دیا تھا سنانا پڑا ہے اب کے
یوں سو گیا ہے قوم کو للکارنا ہے اب کے

عاقل وہی جو سمجھے ہماری بھی بات کوئی
پھل پھول تب اگائے وہ اٹھا رہا ہے اب کے

میں تو سنبھل سکا نہ تمہی قدموں کو سنبھالو
جو کل سے تھا بنا وہ گراتا گیا ہے اب کے

مختار بھی بنے ہوئے حاصل وہی ہے قصّہ
جو بھاگتا تھا چور پکڑنا پڑا ہے اب کے

دامن جو اس نے پھاڑ دیا تو دے دی ہے معافی
بیماری کی دوا ملے مشکل بنا ہے اب کے

ہم ہیں عمرِ رسیدہ، جواں میرے بال بچے
بے کار ہی گلی میں جواں گھومتا ہے اب کے

راحت کا کام زوروں پہ ہوتا صدؔا تو ناؤں
چاروں طرف بے ہودگی پردہ اٹھا ہے اب کے

عبدالغنی ماہرؔ

کوئی خزاں نہ کوئی بھی ہم خار چاہتے ہیں
آئے بہار بن کے جو، وہ یار چاہتے ہیں

ناداں ہیں نفرتوں کی جو دیوار چاہتے ہیں
عاقل تو خاندان میں گلزار چاہتے ہیں

نظروں میں تیر عشق، تبسم لبوں پہ قاتل
برباد کرنا عشق میں دلدار چاہتے ہیں

دل سے کسی کو چاہنا، گر ہے خطا کوئی تو
ایسی خطا تو عشق میں، ہر بار چاہتے ہیں

دولت پہ جنکو ناز ہے، دیوانگی میں اکثر
عشرت کی چاہ، حسن کا بازار چاہتے ہیں

کیسا نظام انکا ہے، کیسی وہ منصفی ہے
نردوش سے جو جرم کا اقرار چاہتے ہیں

دلبر تو چاہتے ہیں کریں پیار میں تغافل
ماہرؔ تو صرف یار سے بس پیار چاہتے ہیں

فہد علی عزیزی

جب انجمن میں دیپ ترے حسن کا جلے گا
عاشق مزاج بر سرِ نخل وفا جلے گا

یوں تو مزاج گرم ہی رکھتا ہے سوزِ الفت
لیکن جلائیں گے تو یہی برف سا جلے گا

مشہور ہے تمہاری ادائے وفا شکن بھی
پھر کیوں تمہاری یاد میں یہ دل جلا جلے گا

پیہم جسے جلائے تمنائے ناتمامی
وہ شخص روشنی کے لیے کیا بھلا جلے گا

آہیں تھیں، سسکیاں تھیں، دھواں اور شرر نہیں تھے
ہر اہلِ دل رواج سے قطعاً جدا جلے گا

روشن ہے جن کے دم سے یہ ایمان کا دیا سا
انساں کئی ہزار وہ بہرِ ضیا جلے گا

اے اہلِ بزم شمعِ عزیزؔی کو دو ہوائیں
شاید مری امید کا بجھتا دیا جلے گا

محمود پیراں محمودؔ

بیجاپور

مجبور زندگی کو سجانے میں رہ گئے ہیں
روٹھے ہوئے نصیب جگانے میں رہ گئے ہیں

کتنا حسین اپنے زمانے کا وہ چلن تھا
اپنی پرانی یاد بھلانے میں رہ گئے ہیں

پرچم محبتوں کے تو ہاتھوں میں ہیں ہمارے
وہ نفرتوں کی آگ جلانے میں رہ گئے ہیں

بیچے ضمیر اپنا وہ سکوں کے واسطے ہی
پھر عیب اپنے ہم سے چھپانے میں رہ گئے

کیا زندگی میں ہم نے کسی کا برا کیا ہے
الزام ہم پہ کوئی لگانے میں رہ گئے ہیں

کوئی بھی کام قوم کی خاطر نہیں کیا ہے
دنیا کو شان اپنی دکھانے میں رہ گئے ہیں

محمودؔ ایک دور تو ہم نے بھی ہے گزارا
قصّے وہی پرانے سنانے میں رہ گئے ہیں

نوید ظفر کیانی

ہم ٹھرکیوں کا قیس سے ملتا ہے زائچہ پڑھ
حلوائی کی دکان پہ دادا کی فاتحہ پڑھ

شرمندہ ہو رہا ہے تو اپنی سلیگنگ پر کیوں
ہوتا ہے جو مقنّنہ میں وہ مکالمہ پڑھ

زاں پیشتر کہ تجھ کو پڑھا دے زمانہ ازخود
بہتر یہی ہے لے کے تو کے جی میں داخلہ پڑھ

شادی شدہ ہوا تو وہ یاروں کا کب رہے گا
ملّا نکاح پڑھتا ہے تو اُس کا مرثیہ پڑھ

یہ ازدواجی زیست ہے ایسی تو ویسی بھی ہے
لیکن تو اِس کتاب میں بس اپنا فائدہ پڑھ

جاہل ہے پولیٹیشن سو کیسے بتائیں اُن کو
جو ووٹروں نے تجھ پہ کیا ہے وہ تبصرہ پڑھ

پنجاب ڈارک ویب کا مرکز ہے بننے والا
مریم ۔۔۔ وہ وڈیو والی بنے گی جو خادمہ پڑھ

جو اُس کی تیوری میں ہے وہ بھی ملاحظہ کر
کس نے کہا ہے اُس کی کمر کا ہی زاویہ پڑھ

ماں نے تو یونہی لاڈ سے شہزادہ کہہ دیا تھا
تجھ کو پڑھانے پر جو تُلا ہے یہ آئینہ پڑھ

نوید ظفر کیانی

وہ لب خموش ہو گئے کچھ بات کرتے کرتے
اُن بادلوں کو کیا ہوا برسات کرتے کرتے

دیکھا تو اپنے گھر کے ہی دیوار و در تھے حائل
پھر سے نئے سفر کی شروعات کرتے کرتے

پوچھو امیرِ شہر سے مورال گر گیا کیوں؟
ہتھیار ڈال بیٹھے فتوحات کرتے کرتے

اے دردِ ہجر تھک گئے دیوانے زندگی کے
اپنے یقیں پہ تیرے مقدمات کرتے کرتے

کیسے بتائیں کتنے قویٰ مضمحل ہوئے ہیں
جینے کی یہ مشقت بھی دِن رات کرتے کرتے

تم لوگ اپنی دھرتی سے آزاد ہو گئے کیا؟
خود کو اسیرِ چشمِ سماوات کرتے کرتے

خود اپنی اگلی سانس سے بھی آشنا نہیں ہیں
ہم گریہ ہائے مرگِ مفاجات کرتے کرتے

حائل رہی ہے وقت کی دیوار درمیاں میں
لاحق رہا ہے ہجر ملاقات کرتے کرتے

اُن پر گزر رہی ہے تو نوحہ کناں ہیں کیسے
کل کھلکھلا رہے تھے مرے ساتھ کرتے کرتے

ہاشم علی خان ہمدمؔ

شعر و سخن ، کلام، ترے نام کر چکا ہوں
موج غزل تمام ، ترے نام کر چکا ہوں

سورج کی تیز دھوپ، مرے ساتھ ڈھل رہی ہے
اپنے سفر کی شام ، ترے نام کر چکا ہوں

احساس اور خیال ، تجھے دان کر دیا ہے
خواب سحر دوام ، ترے نام کر چکا ہوں

موج گل بہار ، ترے پیار کی پون ہے
خوشبو بھرا مشام ، ترے نام کر چکا ہوں

اے بادشاہ عشق ! ترے در پہ آ گیا ہوں
دل ہے ترا غلام ، ترے نام کر چکا ہوں

یہ عین شین قاف ،مرا جذبہء جنوں ہے
ہر عین میم لام ، ترے نام کر چکا ہوں

سانسوں کا زیر و بم ، تری ہر ادا کے صدقے
دھڑکن کا ہر خرام ، ترے نام کر چکا ہوں

نیلام کر کے دل کو سر عام رکھ دیا ہے
سانسوں کا دام دام ، ترے نام کر چکا ہوں

خوشبو،لباس،چائے،ترے ذوق کے مطابق
جینے کا ہر نظام، ترے نام کر چکا ہوں

بجھتا ہوا چراغ ، ترے دم سے جل اٹھا ہے
اک روشنی مدام ، ترے نام کر چکا ہوں

تھوڑی سی کائنات ، مرے ہاتھ لگ گئی ہے
میں جس کا انتظام، ترے نام کر چکا ہوں

دھڑکن کی بات سن ! کہ ترا نام لے رہی ہے
چاہت بھرا پیام ، ترے نام کر چکا ہوں

کھلتا ہوا گلاب ، سر ورق ڈائری کا
خوشیوں کا اہتمام ، ترے نام کر چکا ہوں

مے خانہء حیات ، مرے ساقیا یہی ہے
مینا، صراحی ، جام ، ترے نام کر چکا ہوں

دونوں کے درمیان، کوئی اور تو نہیں ہے
آغاز ، اختتام ، ترے نام کر چکا ہوں

القصہ، مختصر! مری داستاں یہی ہے
نام و نسب ، مقام ، ترے نام کر چکا ہوں

تجھ سے ہے انتساب، مری ہر کتاب ہمدم
میں زندگی کا نام ، ترے نام کر چکا ہوں

زآہد کونچوی

پلکوں نے آنسوؤں کو چھپانے نہیں دیا ہے
ہم کو خوشی کا جشن منانے نہیں دیا ہے

رسوائیوں کے شہر میں عزت تو بچ گئی پر
پیسہ ضرورتوں نے بچانے نہیں دیا ہے

ہم تیرگی میں رہنے پہ مجبور ہو گئے ہیں
آندھی نے جب چراغ جلانے نہیں دیا ہے

آئینہ میرے پاس تھا، اِتنی سی بات ہی تھی
لوگوں نے اپنے پاس بھی آنے نہیں دیا ہے

بیچارگی میں لٹ گئی عزِ غریب اب کے
غیرت نے اس کو شور مچانے نہیں دیا ہے

پہچان کھو نہ جائے مری، اِس خیال نے بھی
چہرے پہ کوئی چہرہ لگانے نہیں دیا ہے

مشتری ہوشیار باش

کتاب کا نام	خیال و خواب
مشاعرہ رنگ	منفرد بحر مشاعرہ و نظم رنگ۔
وضاحت	یہ برقی کتاب بین الاقوامی ادبی تنظیم **موجِ غزل** کے فیس بک پر منعقد کردہ **مشاعرہ نمبر ۴۰۵** پر مشتمل ہے۔
کاپی رائٹ	
اجازت	
صفحات	۳۴
تاریخ مشاعرہ	۲۴ فروری ۲۰۲۴ئ
منتظمین	ہاشم علی خان ہمدمؔ، نوید ظفر کیانی، روبینہ شاہین بیناؔ۔
پبلشر	مکتبۂ ارمغانِ ابتسام۔ اسلام آباد، پاکستان۔
برقی ڈاک	nzkiani@gmail.com
ارکائیو ربط	archive.org/details/@nzkiani

موجِ غزل

کے ہفتہ وار مشاعرے

طرحی رنگ

پابند ردیف رنگ

اصنافِ سخن رنگ

منفرد ردیف رنگ

منفرد بحر رنگ

اسمہائے ربانی رنگ

منفرد قوافی رنگ

موضوعاتی رنگ

مزاحیہ رنگ

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام